بسلسلۂ تعزیراتِ اسلام

برق التوحیدی

اسلام کا قانونِ سرقہ

(قسط ۲)

پچھلی مرتبہ ہم نے قاضی صاحب کی خدمت میں چند ایک گزارشات پیش کی تھیں اور چند خدشات کی طرف اشارہ بھی کیا تھا لیکن جب قاضی صاحب کے مضمون کی دوسری قسط (جو سرقہ کے متعلق ترجمان القرآن شمارہ ۴ جلد ۸ میں ہے) سامنے آئی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بعینہٖ وہ خطرات منڈلا رہے ہیں اور وہی مفسدات و منکرات سر اٹھاتے نظر آتے ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا۔ مضمون پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوا کہ قاضی صاحب بحر الرائق یا درمختار کا ترجمہ فرما رہے ہیں ان کے پیشِ نظر بین الاقوامی طور پر تعزیراتِ اسلام کا مجموعہ تیار کرنا نہیں۔ حبکہ ہم نے بڑے ادب سے یہ بات عرض کی تھی کہ اگر واقعی اسلام کی خدمت مقصود ہے تو پھر تقلیدِ امام کے محدود و محبوس ذہن کو وا کرنا ہوگا۔ مطالعہ کو وسعت دینا ہوگی کہ فقہاء اربعہ ہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ کے افکار و آراء کی ورق گردانی بھی کرنا ہوگی۔ لیکن کیا بحر الرائق، ہدایہ، درمختار المبسوط اور کتاب الخراج لابی یوسف وغیرہ ہی متعلقہ بحث ہیں۔ یا اس خارزار وادی کے سفر سے پہلے تمام کتب تفسیر، شروح کتب حدیث، لغت، کتب احکام اور مغنی لابن قدامہ، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بدایۃ المجتہد، نیل الاوطار، المحلی لابن حزم، المجموع شرح المہذب، الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر الہیثمی، الاحکام السلطانیہ للفراء، احکام القرآن، احکام السلطانیہ للماوردی وغیرہ۔ غرضیکہ متعدد کتب اور بھی ہیں جن کا مطالعہ اس دقیق بحث پر قلم اٹھانے سے پہلے ضروری ہے۔

مضمون کے مالہ و ما علیہ پر سرسری نظر ڈالتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عالمگیر اور مستقل مسئلے پر لکھتے وقت قاضی موصوف کے سامنے بین الاقوامی قانون کی ترتیب کے بجائے صرف فقہ حنفی ہے۔ حالانکہ عالمگیر قانون کے تقاضوں اور معیار کے مطابق اس مسئلہ کا حل پیش کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی فقہ (بالخصوص فقہ حنفی) بھی دورِ جدید کا ساتھ نہیں دے سکتی بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ابن حزم کی ظاہریت اور حنفیت وغیرہ کو محدثین کے طریقِ فکر کے آئینہ میں ڈھالا جائے اور یہی بات دورِ حاضر کی صحیح رہنمائی کر سکتی ہے۔

اس فقہ حنفی کو رائج فرما کر دیکھ لیجیے اگر پہلے معاشرے میں ۲۵ فی صد چور ہیں تو ایک تھوڑے ہی عرصہ بعد ۵۰ فی صد چور ہو جائیں گے اور لطف یہ کہ کوئی بھی مستحق حد نہ ہوگا ۔ عجب فقہ اور عجیب حیلہ سازی ہے کہ حرز کے پردہ میں چور تیار ہوتے ہیں اور اُدْرَءُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ کے لبادہ میں چوروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے ۔ کاش چور حضرات کم از کم فقہ کی کتاب عنہ ۳۲ ہی کا مطالعہ فرما لیں ۔ کاش سابقہ حکومت اپنے آئین میں فقہ عنہ ۴۸ ابھی رکھ لیتی تاکہ اسلام بھی آجاتا اور تمام کام بھی درست ہو جاتے ۔ یہی نہیں بلکہ تجارت ہو، اکل و شرب کا معاملہ ہو، نکاح و طلاق کا مسئلہ ہو ۔ غرضیکہ کوئی بحث اس قابل نہیں کہ اسے فقہ حنفی کی روشنی میں (بالخصوص) حل کیا جائے ! شاید اسی وجہ سے (ہماری معلومات کے مطابق) مولانا ابوذر بخاری نے ایک مرتبہ مولانا چراغ صاحب جیسے دیگر علماء کو یہ کہا تھا کہ اگر آپ فقہ حنفی کو عام کرنا چاہتے ہیں تو خدارا عبادات کے علاوہ تمام مباحث پر حالات حاضرہ کے تحت نظر ثانی فرما لیجیے ۔ ممکن ہے یار لوگ اسی وجہ سے یہ پالیسی اختیار کیے ہوئے ہیں کہ فقہ حنفی کی پیروی کی تلقین تو کرو لیکن اس کے محفوظات کو عام نہ کرو ۔ تعجب ہے کہ مولانا مودودی صاحب جیسا زیرک اور جدت پسند بھی دورِ حاضر کے مسائل اسی فقہ کی روشنی میں حل کرتا نظر آتا ہے جو کہ اس بات کا مصداق ہے ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہمارے پیش نظر کسی کی دلآزاری نہیں البتہ اتنا ضرور کہیں گے کہ موجودہ حالات کی ترجمانی ۔۔۔ اور حل ۔۔۔ صرف اور صرف قرآن و حدیث اور اس کی بنیادوں پر استوار شدہ اجتہاد ہی کر سکتا ہے ۔

آمدم بر سر مطلب :۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم قاضی موصوف کے مضمون پر طائرانہ نظر قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

قولہ :۔ دفعہ ۱۲ : کوئی ناطق، بصیر چوری کرے تو اس پر حد ہوگی ۔ ملخص ۔

اقول :۔ سرقہ موجب حد میں یہ دونوں شرائط جہاں دلائل سے یتیم ہیں وہاں عقل سلیم بھی ان سے ابا کرتی ہے کیونکہ اگر ایک اندھا یا گونگا آدمی بہ نیت سرقہ نصاب تام بجمیع شروط اٹھا لیتا ہے تو اس پر حد کیوں نہ ہوگی؟ کیا بصیر، بینا اور ناطق کا یہی قصور ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے زبان کیوں دی؟ آنکھ کی بینائی کیوں بخشی؟

چنانچہ کسی معتمد علیہ صاحب نے شروط سرقہ میں ان دونوں کا ذکر نہیں فرمایا ۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن رشدؒ تعریف سرقہ میں لکھتے ہیں ۔

"فَإِنَّهُمْ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يَكُونَ مُكَلَّفًا سَوَاءٌ كَانَ حُرًّا أَوْ عَبْدًا۔ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا الخ (بداية المجتهد صـ۳۳۴ ج۲)

اسی طرح علامہ فراء حنبلیؒ نے "الاحکام السلطانیہ" میں محض یہ شرط لکھی ہے: "إِذَا سَرَقَهُ بَالِغٌ عَاقِلٌ" علامہ ماوردیؒ نے بھی یہی الفاظ استعمال کیے ہیں کہ "إِذَا سَرَقَهُ بَالِغٌ عَاقِلٌ" (احکام السلطانیہ صـ۲۲۶) علامہ کاسانی حنفی واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

"فَأَهْلِيَّةُ وُجُوبِ الْقَطْعِ هِيَ الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ" (البدائع والصنائع صـ۶۷ ج۹)

اب نہ معلوم قاضی صاحب نے ان دو شروط کا اضافہ کس نص صریح کی بنا پر فرمایا ہے اگر ان کی بنیاد کوئی نص ہے تو اس کے اظہار پر ہم مشکور رہوں گے۔ اگر محض قول امام وغیرہ ہی بنیاد ہے تو قارئین فیصلہ فرمالیں کہ کیا یہ خدمتِ اسلام ہے؟ یہی تعزیراتِ اسلام ہیں؟

قولہ:۔ شرط ۱۲! کوٹ سے حاصل ہونے والی رقم کو نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا البتہ بٹوا وغیرہ سے حاصل ہونے والی رقم کو نصاب میں شامل کیا جائے گا۔

اقول:۔ آخر کوٹ اور بٹوا کے مظنہ رقم ہونے میں کیا فرق ہے؟ اور اگر اصطبل سے چرائی گئی رقم موجب حد ہے تو کوٹ کی رقم کیوں نصاب میں شامل نہیں ہو سکتی؟

قولہ: شرط ۱۴! مال بمقدار نصاب سرقہ ایک ہی مرتبہ ایک ہی محفوظ جگہ سے باہر نکالا گیا ہو۔

اقول:۔ یعنی اگر ایک چور گھر سے مال کو (نصاب سرقہ سے کم) تھوڑا تھوڑا نکالتا ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی۔ کیا وجہ جناب؟ اگر ایک ضعیف آدمی نو درہم (آپ کا مقررہ نصاب) کا مال اٹھا سکتا ہے اور اس نے دس چکر لگا کر نوے درہم کا مال چرا لیا اس پر حد تو نہ ہو اور نوجوان نے اگر ایک ہی چکر میں دس درہم کا مال اٹھا لیا اس پر حد جاری ہو جائے! کیا یہ سرقہ کی حد ہوگی یا خدا نے جو اسے قوت دی ہے اس کی حد ہوگی؟

قولہ: اگر نصاب سرقہ کو ایک سے زیادہ آدمی چرائیں تو ان پر حد نہ ہوگی۔

اقول: کیوں جناب! کس نص صریح کی بنا پر؟ کیا یہ چوروں کی حوصلہ افزائی نہیں؟ اور جو چور اکیلا ہی چوری کرتا ہے وہ یہ نہ کہے گا۔ جرم ضعیفی مرگ مفاجات!

قولہ: درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری موجب حد نہیں۔

اقول: جناب قول امام کی تائید میں حدیث کی تعیین و تشریح کو کیوں پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

قولہ: کافر ذمی پر بھی حد نہ ہوگی۔

اقول :۔ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (کافر ذمی) حد کیوں نہیں؟ محبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعوتِ غور و فکر!

قولہ :۔ اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے والے پر حد نہیں۔

اقول :۔ کیا اجازت چوری کے لیے لی یا دی جاتی ہے؟ جب کہ یہ بات تشریح ۵ کی صورت ۱، ۲، ۳ کے بھی منافی ہے۔ تو ان دونوں میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

قولہ :۔ مغرب اور عشا کا وقت بھی دن میں شامل ہو گا کیونکہ اس وقت تک لوگ ابھی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔

اقول :۔ کیا عورتیں مغرب اور عشا کی نماز مسجد میں ادا کر سکتی ہیں یا نہیں؟ کیا فرماتے ہیں علمائے احناف بیچ اس مسئلہ کے؟

قولہ :۔ اگر چوروں میں کوئی غیر مکلف یا قابض مال کا قریبی رشتہ دار ہو تو ان چوروں پر حد نہ ہوگی۔

اقول :۔ چوری پیشہ افراد متوجہ ہوں۔ "اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ"

قولہ :۔ ان صورتوں میں کوئی حد نہیں۔ ۱۔ چور گھر میں نقب لگا کر گھس گیا پھر اس نے اندر سے مال دوسرے چور کو پکڑا دیا جو باہر کھڑا تھا۔ ۲۔ سارق کے مکان کے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے سامان پہلے جائے نقب پر رکھا پھر خود باہر نکلا اور باہر نکل کر سامان جائے نقب سے لے گیا۔ وغیرہ!

اقول :۔ چور حضرات کے لیے نادر موقعہ۔ آج ہی آئیے اور رات ہی رات میں کروڑ پتی بن کر اپنا خواب شرمندہ تعبیر کیجیے۔ داخلہ محدود ہے۔ طعام و قیام بذریعہ کمپنی ہوگا۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"!

فوری رابطہ کے لیے ذیلی فون نمبر ۳/۸۶، ۷/۲۵۲، ۹/۲۱۴، مرکزی دفتر کا فون ۱۳/۱۱۴۔

اس مختصر سی طائرانہ نظر کے بعد ہم ان دو مرکزی مسائل کی طرف آتے ہیں جن پر تقریباً ان تمام تفریعات کا دارومدار ہے۔

نصابِ سرقہ

نصاب سرقہ کے ضمن میں موصوف نے کہا ہے کہ دس درہم ہی صحیح ہے کیونکہ اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ دس درہم کی مالیت پر حد سرقہ جاری ہوتی ہے اور ادرؤا الحدود کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دس درہم نصاب مقرر کیا جائے۔

ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ جناب اگر محض اتفاق ہی پیش نظر ہے تو پھر معلوم ہونا چاہیے کہ نصاب سرقہ کے متعلق بیس مختلف اقوال ہیں "جو قلیل و کثیر" سے لے کر چالیس درہم"

اور دس دینار تک ہیں (ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۱۰۶، ۱۰۷، ج ۱۲ وغیرہ) لہٰذا متفق قول چالیس ہوا نہ کہ دس درہم والا۔ "ادرؤا الحدود" کے قریب چالیس درہم ہیں نہ کہ دس درہم۔ نیز "ادرؤا الحدود" کا علی الاطلاق وہ مفہوم نہیں جو موصوف لیتے ہیں جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکام کے پاس مقدمہ آنے سے پہلے صلح وغیرہ کی صورت نکال لی جائے یا اس کے اقرار وغیرہ میں تفتیش و تحقیق کر لی جائے (وغیرہ) جیسا کہ نبی علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہے اور اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حیلہ سازی کے ساتھ احکامِ الٰہیہ میں لچک یا ترمیم پیدا کرنا ہے۔ درحقیقت حنفی فقہاء نے اس اختلاف کا فائدہ سارق کو پہنچایا ہے کہ چوری کا نصاب کم از کم دس درہم مقرر کر دیا۔ جب کہ وہی نصاب ہونا چاہیے تھا جو نبی علیہ السلام سے بسندِ صحیح مروی ہے کیونکہ اتفاق یا "ادرؤا الحدود" کوئی کوئی ایسا داعیہ یا لاحقہ نہیں ہے جو نبی علیہ السلام کے بعد پیش آیا ہو۔ یقیناً آپؐ محسنِ انسانیت ہیں، رحمۃ للعالمین اور رؤف و رحیم ہیں اور "ادرؤا الحدود" کے مفہوم اور تقاضے کو ہم سے زیادہ سمجھتے اور جانتے تھے۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دس درہم موجودہ کرنسی کے تقریباً صرف ۶۰/- روپے اور عرب کرنسی کے مطابق ۲.۵ ریال بنتے ہیں تو کیا یہ رقم "ادرؤا الحدود" کے تقاضہ کو رفتارِ زمانہ کے تحت پورا کرتی ہے۔

مذاہب

نصابِ سرقہ کے متعلق ظاہریہ، حسن بصری، خوارج اور متکلمین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مال خواہ کثیر ہو یا قلیل وہ موجبِ حد ہے۔ علامہ ابن رشد رقمطراز ہیں۔

"اِلَّا مَا رُوِیَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ اَنَّہٗ قَالَ الْقَطْعُ فِیْ قَلِیْلِ الْمَسْرُوْقِ وَکَثِیْرِہٖ ․․․․․ وَبِہٖ قَالَتِ الْخَوَارِجُ وَطَائِفَۃٌ مِّنَ الْمُتَکَلِّمِیْنَ (بدایۃ ص ۳۳۲)

لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک چور کے ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹے جائیں گے جب تک مال بقدر نصاب معین نہ ہو۔

اب، مال مسروقہ کے نصاب کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ اس اختلاف میں بظاہر دو بڑے فریق ہیں پہلا گروہ علمائے حجاز کا ہے جس میں امام مالک اور امام شافعی وغیرہ ہیں ان کے نزدیک تین درہم (چاندی کا سکہ) یا ربع دینار (سونے کا سکہ) ہے۔ فقہائے حجاز جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ربع دینار سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

۲۔ آپؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا مگر ڈھال کی قیمت پر۔

۳۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں نبی علیہ السلام نے ایک ڈھال کے بدلے ہاتھ کاٹا اور ڈھال کی قیمت تین درہم تھی۔

دوسرا گروہ فقہائے عراق کا ہے ان علماء کے نزدیک نصاب سرقہ دس درہم ہے۔ البتہ ان کے نزدیک بھی یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ آپؐ کے زمانہ میں ڈھال پر ہاتھ کاٹا گیا اور اسی کا حکم ہوا لیکن ان کے نزدیک ڈھال کی قیمت تینؔ نہیں بلکہ دسؔ درہم ہے! جو عمرو بن شعیب کی روایت سے معلوم ہوتی ہے لیکن عمرو بن شعیب کی روایت بنفسہٖ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ اس میں حجاج بن ارطاۃ ضعیف اور مدلس ہیں۔ اسی طرح ایک روایت ابن عباس سے ہے وہ بھی نہایت مضطرب ہے (فلیراجع للتفصیل فتح الباری وغیرھا) غرضیکہ جتنی روایات بھی دس درہم کے متعلق ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کو حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کی روایات کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ چنانچہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ بات تو دس درہم والی اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، ان کے الفاظ ہیں — وَهٰذَا الَّذِي قَالُوهُ هُوَ كَلَامٌ حَسَنٌ لَوْلَا حَدِيثُ عَائِشَةَ وَهُوَ الَّذِي اِعْتَمَدَهُ الشَّافِعِيُّ فِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَجَعَلَ الْاَصْلَ هُوَ رُبُعُ دِيْنَارٍ (بدایۃ المجتہد ص۳۳۵ ج۲)

حافظ ابن حزم فریقین کے دلائل پر بحث فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وَاَمَّا حَدِيثُ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ اَوِ الدِّيْنَارِ فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ اَصْلًا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْبَغِي اَنْ يَجُوْزَ التَّمْوِيْهُ فِيهِ عَلٰى اَحَدٍ اِنَّمَا فِيهِ مَوْصُوْلًا بِهٖ ذِكْرُ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَلَا يَصِحُّ عَنْهُ اَيْضًا وَمِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ قَوْلُ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَاَيْمَنَ كَذٰلِكَ وَهُوَ عَنْهُمْ صَحِيْحٌ اِلَّا حَدِيْثًا مَوْضُوْعًا تُكَلَّمُ بِهٖ لَا يُدْرٰى مَنْ رَوَاهُ مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مُسْنَدًا لَا قَطْعَ اِلَّا فِي رُبُعِ دِيْنَارٍ اَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ فِيهِ مَعَ عِلَّتِهٖ ذِكْرُ الْقِيْمَةِ اَصْلًا (محلی لابن حزم ص۳۵۴ ج۱۱)

اسی طرح مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو ذکر کرنے کے بعد علامہ شوکانی رقم طراز ہیں:۔

وَقَدْ ذَهَبَ اِلٰى مَا يَقْتَضِيْهِ اَحَادِيْثُ الْبَابِ مِنْ ثُبُوْتِ الْقَطْعِ فِي ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ اَوْ رُبُعِ دِيْنَارٍ اَلْجُمْهُوْرُ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وَمِنْهُمُ الْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ (نیل الاوطار ص۱۲۵ ج۷)

تصریحات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح اور متفق علیہ نصاب سرقہ تین درہم یا ربع دینار رہا ہے علامہ قرطبی نے اس بات کو تفصیل سے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

فَلَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ أَوْ فِيمَا قِيمَتُهُ رُبْعُ دِينَارٍ وَهٰذَا قَوْلُ عُمَرَ وَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَبِهِ قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَاللَّيْثُ وَالشَّافِعِيُّ وَأَبُو ثَوْرٍ۔
(تفسیر قرطبی ص ۱۶۱ ج ۶)

یاد رہے ربع دینار اور تین درہم مساوی ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ سے ہے کہ تقطع الید فی ربع دینار او فی ثلاثۃ دراھم (قرطبی ص ۱۶۰ ج ۶)

اور علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں۔

وَقَدْ كَانَتْ قِيمَةُ الدِّينَارِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فَثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ يَكُونُ رُبْعَ دِينَارٍ (المبسوط ص ۱۳۷ ج ۹)

غرضیکہ نصاب سرقہ کی تعیین میں صحیح بات جو دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ربع دینار یا تین درہم — چنانچہ اس بحث کو ہم علامہ فراءؒ کے اس قول پر ختم کرتے ہیں جو یقیناً اس بحث میں ایک نفیس قول کی حیثیت رکھتا ہے۔

علامہ موصوف رقم طراز ہیں۔

وَالنِّصَابُ الَّذِي تُقْطَعُ فِيهِ مُقَدَّرٌ بِأَحَدِ شَيْئَيْنِ رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا مِنْ غَالِبِ الدَّنَانِيرِ الْجَيِّدَةِ أَوْ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ مِنْ غَالِبِ الدَّرَاهِمِ الْجَيِّدَةِ أَوْ قِيمَةِ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ مِنْ جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ
(الاحکام السلطانیہ ص [illegible])

حرز

اس مبحث کا دوسرا اہم مسئلہ حرز ہے! حرز کے متعلق اصل اختلاف یہ ہے کہ کیا حرز کا اعتبار تعریف سرقہ میں ہوتا ہے یا نہیں؟ اس چیز کو معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس تین طریقے ہیں۔ شرع، لغت اور عرف

شرع

قرآن و حدیث میں سرقہ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے لیکن کسی جگہ بھی حرز کی قید کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اس لفظ کو ایک مقام پر یوں استعمال کیا گیا ہے کہ

علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں۔

سَمَّى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَخْذَ الْمَسْمُوعِ عَلَى وَجْهِ الْاِسْتِخْفَاءِ اسْتِرَاقًا قَالَ الخ (البدائع ص ۲۲۳ ج ۹)

یعنی مخفی طریقہ سے کسی چیز کو اخذ کرنا سرقہ کہلاتا ہے۔ اسی بنا پر "السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" کو بعض اس کے اطلاق پر محمول کرتے ہوئے حرز کے تعریف سرقہ میں شامل ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

لغت

لغت کے اعتبار سے بھی اس شرعی معنی کی تائید ہوتی ہے چنانچہ علامہ زبیدی ابن عرفہ سے نقل فرماتے ہیں:

اَلسَّارِقُ عِنْدَ الْعَرَبِ مَنْ جَاءَ مُسْتَتِرًا اِلَی الْحِرْزِ فَاَخَذَ مَا لِغَيْرِهٖ (تاج العروس ص)

اسی بات کو صاحب لسان العرب نے بھی نقل کیا ہے اور صاحب قاموس کے بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں کہ ہر اس شخص کو سارق کہیں گے جو خفیہ طریقے سے کسی کے مال کو حرز سے اٹھانے کے لیے آئے جبکہ حرز کہتے ہیں۔

اَلْحِرْزُ. اَلْمَوْضِعُ الْحَصِيْنُ یعنی محفوظ جگہ۔

اسی معنی پر بنیاد رکھتے ہوئے تمام اصحاب فقہ و تفسیر نے سرقہ کی یہی تعریف کی ہے۔ مثلاً۔

۱۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔ اَلسَّرِقَةُ لُغَةً اَخْذُ مَالِ الْغَيْرِ عَلٰی وَجْهِ الْخُفْيَةِ (مبسوط ص ۱۳۳ ج ۹)

۲۔ درمختار میں ہے۔ هِيَ لُغَةً اَخْذُ الشَّيْءِ مِنَ الْغَيْرِ خُفْيَةً (ج ۳ ص ۴)

۳۔ ابن رشد فرماتے ہیں۔ فَهِيَ اَخْذُ مَالِ الْغَيْرِ مُسْتَتِرًا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّؤْتَمَنَ عَلَيْهِ (بداية المجتهد ص ۳۳۴ ج ۲)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ حرز تعریف سرقہ میں شامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کاسانی حنفیؒ نے رکنِ سرقہ ایک ہی بتایا ہے وہ فرماتے ہیں۔ اَمَّا رُكْنُ السَّرِقَةِ فَهُوَ الْاَخْذُ عَلٰی سَبِيْلِ الْاِسْتِخْفَاءِ (البدائع ص ۲۳ ج ۹)

چنانچہ حرز کی کوئی تعیین و تقیید بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ ہر چیز کا حرز اس کی نوعیت و حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔ فَاِذَا اَحْرَزَهَا مَالِكُهَا فَقَدِ اجْتَمَعَ فِيْهَا الصَّوْنُ وَالْحِرْزُ الَّذِيْ هُوَ غَايَةُ الْاِمْكَانِ لِلْاِنْسَانِ (قرطبی ص ۱۶۳ ج ۶)

دوسری جگہ علامہ موصوف اسی معروف حرز کے متعلق فرماتے ہیں۔ اَلْحِرْزُ مَا نُصِبَ عَادَةً لِحِفْظِ اَمْوَالِ النَّاسِ وَهُوَ يَخْتَلِفُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ بِحَسَبِ حَالِهٖ (ایضاً ص ۱۶۲ ج ۶)

علامہ ابن رشد کی عبارت کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وَالْاَشْبَهُ اَنْ يُّقَالَ فِيْ حَدِّ الْحِرْزِ اِنَّهٗ مَا شَاْنُهٗ اَنْ تُحْفَظَ بِهِ الْاَمْوَالُ كَيْ يَعْسُرَ اَخْذُهَا مِثْلُ الْاَغْلَاقِ وَالْحَظَائِرِ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ (بدایہ ص ۳۳۶ ج ۲)

یہی نہیں بلکہ آپ نے امام مالک سے اس کی تفصیل یوں نقل فرمائی ہے۔

وَالْحِرْزُ عِنْدَ مَالِكٍ بِالْجُمْلَةِ هُوَ كُلُّ شَيْءٍ جَرَتِ الْعَادَةُ بِحِفْظِ ذٰلِكَ الشَّيْءِ الْمَسْرُوْقِ فِيْهِ فَمَرَابِطُ الدَّوَابِّ عِنْدَهٗ اَحْرَازٌ وَكَذٰلِكَ الْاَوْعِيَةُ، وَمَا عَلَی الْاِنْسَانِ مِنَ اللِّبَاسِ — فَالْاِنْسَانُ حِرْزٌ لِكُلِّ مَا عَلَيْهِ اَوْ هُوَ عِنْدَهٗ الخ (ایضاً ص ۳۳۷ ج ۲)

غرضیکہ عرف کے اعتبار سے بھی تحقق سرقہ کے لیے حرز کی قید ضروری نہیں بلکہ مال کا محفوظ کرنا بھی اسے محرز کرنا ہوتا ہے جیسا کہ علامہ کاسانی رحمہ اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْاَخْذُ مِنْ غَيْرِ حِرْزٍ لَا يُحْتَاجُ اِلَى الْاِسْتِخْفَاءِ فَلَا يَتَحَقَّقُ رُكْنُ السَّرِقَةِ (البدائع ص ۲۴۲ ج ۹)

یعنی حرز تحقق سرقہ میں اصل نہیں۔ اور نہ ہی اس کی تعیین و تقیید ہو سکتی ہے شاید اسی لیے انہوں نے حرز کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ ۱۔ حرز بنفسہ ۲۔ حرز لغیرہ۔

یعنی ایک حرز وہ ہے جو خود بخود حرز کے حکم میں ہے جیسے گھر اور صندوق وغیرہ اور ایک ایسا حرز ہے جو بنفسہ حرز تو نہیں البتہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے حرز کے حکم میں ہے مثلاً میدان جہاں سامان کے پاس محافظ ہو۔

حافظ ابن حزم کا مدعا بھی دراصل یہی ہے کہ حرز کو تعریف سرقہ میں بالکل شامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر چیز محرز ہوتی ہے۔ اس کے حرز کو متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہر چیز کی نوعیت، حیثیت اور حالات کے تحت مفہوم ہو گا۔ وہ حرز کو اس وجہ سے بھی شامل نہیں فرماتے کہ حرز کوئی ایسی چیز نہیں جو سرقہ کے تحقق یا عدم تحقق کے لیے ضروری ہو بلکہ حالات کے تقاضے کے تحت حرز تبدیل ہوتے رہتے ہیں جس بنا پر حرز کا تعین ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی موصوف کو اس موقعہ پر غلطی لگی کہ انہوں نے بٹوے کو تو منظنہ رقم سمجھ کر حرز کا حکم لگا دیا لیکن کوٹ کو اس سے خارج کر دیا حالانکہ فی زمانہ بٹوے کی نسبت کوٹ زیادہ منظنہ رقم ہے۔ یہی حال حرز کے تعین کا ہے ــــــ حافظ ابن حزم نے انہی تکلفات سے بچتے ہوئے حرز اور عدم حرز کو برابر قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ عَلَيْهِ الْقَطْعُ سَوَاءٌ مِنْ حِرْزٍ سَرَقَ اَوْ مِنْ غَيْرِ حِرْزٍ.... قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ وَبِهٖ يَقُوْلُ اَبُوْ سُلَيْمَانَ وَجَمِيْعُ اَصْحَابِنَا (محلی ص ۳۲۲ ج ۱۱)

حافظ ابن حزمؒ نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں آیت سرقہ کی تعمیم کے علاوہ بہت سے آثار بھی نقل کیے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی تاہم ان تمام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تحقق سرقہ میں حرز دخیل نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سرقہ کی تعریف سے حرز کی موہوم شرکت کا انکار کیے بغیر ان مفاسد سے محفوظ رہنا مشکل ہے جو اس کو تسلیم کرنے سے پیش آتے ہیں اور جن سے لوگوں کے اموال کی حفاظت سے سارق کی۔ "ادرؤا الحدود" کے تحت ضرورت سے زیادہ حفاظت ہو جاتی ہے۔

تفریعات

حرز کا مسئلہ تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس کے ضمن میں دو اہم مسئلے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اس سے قبل یہ بات ذہن نشین رہے کہ حرز کو تعریف سرقہ یا تحقق سرقہ میں کوئی حیثیت حاصل نہیں، لہذا درج ذیل تفریع ۲ کا وجود اس بنا پر خود ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

تفریع ۲۔ تقریباً ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی سارق (چور) کسی مکان کے اندر گھس گیا اور سامان اٹھا لیا لیکن مکان کی چار دیواری کے اندر ہی پکڑا گیا تو اس پر حد نہیں۔ خواہ مال نصاب سرقہ تک کیوں نہ پہنچتا ہو۔ البتہ ابن حزم اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے ایسے سارق پر حد کے قائل ہیں۔ آپ نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں بہت سی احادیث و آثار نقل فرمائے ہیں مثلاً

(ا) بَلَغَ عَائِشَةَ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِذَا لَمْ يَخْرُجِ السَّارِقُ الْمَتَاعَ لَمْ يُقْطَعْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَوْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا سِكِّينًا لَقَطَعْتُهُ (محلی ص ۳۲۱ ج ۱۱)

(ب) ابن الزبیرؓ اس لڑکی کے متعلق یہ ارشاد (جس نے گھر میں رہتے ہوئے چوری کی تھی اور پکڑی گئی) يَا مُسَيْعِيدُ انْطَلِقْ بِهَا فَاقْطَعْ يَدَهَا فَإِنَّ الْمَالَ لَوْ كَانَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا الْقَطْعُ (محلی ص ۳۲۱ ج ۱۱)

(ج) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں۔ إِذَا جَمَعَ السَّارِقُ الْمَتَاعَ وَلَمْ يَخْرُجْ بِهِ قُطِعَ (ایضاً)

(د) اسی طرح خالد بن سعید اور عبداللہ بن عبیداللہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایسے سارق پر حد ہو گی۔ الفاظ ہیں۔

عَنِ السَّارِقِ يَتَيَسَّرُ فَيَطْرَحُ السَّرِقَةَ وَيُوجَدُ فِي الْبَيْتِ الَّذِي سُرِقَ مِنْهُ لَمْ يَخْرُجْ فَقَالَا جَمِيعًا عَلَيْهِ الْقَطْعُ (ایضاً)

(ہ) ایسے ہی جب ابراہیم نخعیؒ کے پاس امام شعبیؒ کا قول السَّارِقُ لَا يُقْطَعُ حَتَّى يَخْرُجَ بِالْمَتَاعِ پیش کیا گیا تو آپ نے اس کی تردید فرما دی (ایضاً)

(و) اسی طرح جب عبیداللہ بن ابی بکرہ کے پاس ایسا چور لایا گیا جس نے مال اکٹھا تو کر لیا تھا لیکن وہ چار دیواری کے اندر ہی پکڑا گیا تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرما دیا۔ (ایضاً ص ۳۲۲ ج ۱۱)

غرضیکہ ابن حزم اپنے موقف کی تائید میں متعدد دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ أَوْرَدْنَا عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ وَالْحَسَنِ وَإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ الْقَطْعَ عَلَى مَنْ سَرَقَ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ بِهِ مِنَ الْحِرْزِ (ایضاً ص ۳۲۶ ج ۱۱)

اسی طرح حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے الفاظ میں حرز کا کوئی استعمال نہیں ہوا اگر یہ بات ضروری ہوتی تو نبی علیہ السلام اس کو ضرور بیان فرماتے۔ آپ کے الفاظ ہیں۔

وَنَحْنُ نَشْهَدُ بِشَهَادَةِ اللهِ أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَوْ أَرَادَ أَنْ لَا يُقْطَعَ السَّارِقُ حَتَّى يَسْرِقَ مِنْ حِرْزٍ

ويخرجه من الدار إنما أغفل ذلك ولا أهمله ولا أعنتنا بأن يكلفنا علم الشريعة ثم يطلعنا عليه ويبينه على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم إما في الوحي وإما في النقل المنقول فإذا لم يفعل الله تعالى ذلك ولا رسوله صلى الله عليه وسلم اشتراط الحرز فلا شك في ذلك فاشتراط الحرز فيها باطل بيقين لا شك فيه وشرع ما لم يأذن به الله (محلی ج ۱۱ ص ۳۲۴)

اس کے بعد حافظ موصوف نے فریق ثانی کے ان دلائل کو مفصل طور پر بیان کیا ہے جو اقوال صحابہؓ یا فتاویٰ پر مشتمل ہیں ان پر فرداً فرداً بحث کرنے کے بعد مجموعی طور پر ان کے متعلق آپ یوں رقمطراز ہیں۔

وأما قول الصحابة فقد أوضحنا أنه لم يأت قط عن أحد منهم اشتراط الحرز أصلاً وإنما جاء عن بعضهم حتى يخرج عن الدار وقال بعضهم من البيت وليس هذا دليلاً على ما ادعوه من الحرز مع الخلاف الذي ذكرنا عن عائشة وابن الزبير في ذلك فلاح أن قولنا قد جاء به القرآن والسنن الثابتة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأيضاً

اسی طرح فریق مخالف کی طرف سے جو اجماع نقل کیا جاتا ہے کہ "اتفق جمهورنا على أن القطع لا يكون إلا على من أخرج من حرز ما يجب فيه القطع" (قرطبی ج ۶ ص ۱۶) اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

وأما الإجماع فإنه لا خلاف بين أحد من الأمة كلها في أن السرقة هي الاختفاء بأخذ الشيء ليس له وأن السارق هو المختفي بأخذ ما ليس له وأنه لا مدخل للحرز فيما اقتضاه الاسم فمن أقحم في ذلك اشتراط الحرز فقد خالف الإجماع على معنى هذه اللفظة في اللغة وادعى في الشرع ما لا سبيل له إلى وجوده ولا دليل على صحته" (محلی ج ۱۱ ص ۳۲۴)

غرضیکہ انھوں نے ہر طرح سے فریق ثانی کا دفاع کیا ہے اور ان روایات پر تفصیلاً نقد کیا ہے جن کو حرز کا اعتبار کرنے والے پیش کرتے ہیں ان میں ایک روایت عمرو بن شعیب کے واسطہ سے ہے کہ سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم في كم تقطع اليد فقال لا تقطع اليد في ثمر معلق فإذا ضمه الجرين قطعت في ثمن المجن ولا تقطع في حريسة الجبل فإذا آواها المراح قطعت في ثمن المجن۔

ایسی ہی ایک دوسری روایت پر اصولی نقد کرنے کے بعد الزامی طور پر آپ فرماتے ہیں۔

إن فيه أن من خرج بشيء من الثمر المعلق ففيه غرامة مثليه وهم لا يقولون بهذا وكذلك إذا آواه الجرين فلم يبلغ ثمن المجن ففيه أيضاً غرامة مثليه وهم لا يقولون بهذا أيضاً، وفيه أيضاً أن حريسة الجبل غرامة مثلها وأن فيها غرامة مثليها وأن فيها إن آواها المراح فلم يبلغ ثمن المجن غرامة مثليها فهم قد خالفوا هذا الخبر الذي احتجوا به في البعض

تَمَوَّانِعُ مِنَ اَحْكَامِهٖ فَكَيْفَ يَسْتَجِيْزُ ذُوْوَرَعٍ يَدْرِىْ اَنَّ كَلَامَهٗ مَحْسُوْبٌ عَلَيْهِ وَاَنَّهٗ مُحَاسَبٌ بِهٖ يَخَافُ لِقَاءَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ایضاً ص ۲۲)

اس کے علاوہ حقیقتاً دیکھا جائے تو یہ روایات اس وجہ سے بھی قابل استدلال نہیں کہ یہ اس وقت ہے جب کہ آدمی مجبور ہو ورنہ آپ نے فرمایا کہ جھولی بھر کر نہ لے جائے۔ پھر اگر وہ نصاب سے کم ہے تو اس پر حد کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر نصاب کو پہنچ جائے تو پھر حد کا ذکر ان مذکورہ احادیث سے بھی ثابت ہے تو پھر یہ سرقہ ہی متصور ہو گا!

عقلاً: اسی طرح ابن عمر کے قیاس علی الزنا پر جو بنیاد رکھی جاتی ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ زنا کے تحقق میں محض تلذذ کافی نہیں بلکہ زنا اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ مذکر کا حشفہ مؤنث کے قبل یا دبر میں غائب ہو جائے نہ کہ محض اختلاط سے، جیسا کہ زنا کی تعریف سے ظاہر ہے کہ۔

اَلزِّنَا هُوَ تَغْيِيْبُ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ حَشَفَةَ ذَكَرِهٖ فِيْ اَحَدِ الْفَرْجَيْنِ مِنْ قُبُلٍ اَوْ دُبُرٍ (الاحکام للماوردی ص ۲۲۳)

لہٰذا جب ابن عمر کا اجتہاد درست نہ تھا تو اس پر رکھی گئی بنیاد کیسے درست ہو سکتی ہے؟

لیکن قطع نظر اس سے دیکھا جائے تو ابن عمرؓ کا قیاس اپنی جگہ درست ہے لیکن اس کو حرز پر دلیل بنانا قطعاً درست نہیں کیونکہ جس شخص کے متعلق ابنِ عمرؓ کا فتویٰ ہے اس پر سارق کا اطلاق ہی صحیح نہیں۔ فتدبر و تفکر۔

تفریع ۲: یعنی ایک گھر سے اگر متعدد چور مال سرقہ بمقدار نصاب چوری کر لیں تو کیا ان پر حد ہو گی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ ایسے لوگوں پر حد جاری نہیں ہو گی کیونکہ ہر ایک پر حد اس وقت ہو گی جبکہ بقدر نصاب مال ہر ایک کے حصہ میں آتا ہو لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر مال مسروق تعاون کا محتاج ہو تو تمام پر حد ہو گی ورنہ نہیں۔ البتہ امام احمد دونوں صورتوں میں تمام پر حد کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ الجزیری فرماتے ہیں۔

اَلْحَنَابِلَةُ قَالُوْا يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْقَطْعُ جَمِيْعًا سَوَاءٌ اَكَانَ الْمَسْرُوْقُ مِنَ الْاَشْيَاءِ الثَّقِيْلَةِ الَّتِيْ تَحْتَاجُ اِلٰى مُعَاوَنَةٍ اَمْ لَا سَوَاءٌ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اِخْرَاجِهٖ مِنَ الْحِرْزِ اَوْ نَقَرَهَا كُلُّ وَاحِدٍ بِاِخْرَاجِ شَيْءٍ اِذَا صَارَ الْمَالُ الْمَسْرُوْقُ بِمَجْمُوْعِهٖ نِصَابًا (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۹۲ ج ۵)

اس کے بعد اس کی حکمت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں کہ۔

تَعْظِيْمًا لِحُرْمَةِ الْاَمْوَالِ وَتَشْدِيْدًا فِي الْمُحَافَظَةِ عَلٰى حُقُوْقِ الْعِبَادِ (ایضاً)

جبکہ نصاب سرقہ تمام کے حصہ میں الگ الگ پورا نہ جانے کی صورت میں تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں

کہ تمام پر حد جاری ہوگی جیسا کہ علامہ الجزیریؒ فرماتے ہیں۔

"اِتَّفَقَ الْاَئِمَّةُ عَلٰى اَنَّهٗ لَوِ اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ مِّنَ اللُّصُوْصِ فِيْ سَرِقَةِ شَيْءٍ مِّنَ الْمَالِ وَنَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ نِصَابَ السَّرِقَةِ يَجِبُ اِقَامَةُ الْحَدِّ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ" (ایضاً ج۵ ص۱۹۱)

عقلی اعتبار سے بھی اس سلسلہ میں امام احمدؒ کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس طرح قتل کے سلسلہ میں تمام مشترک اور شامل لوگوں پر حد لگائی جاتی ہے اسی طرح قطع ید میں بھی تمام کو شامل ہونا چاہیے پر جائیکہ ایک پر بھی حد نہ ہو ــــ بالخصوص امام شافعیؒ تو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی جماعت کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ دے تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ علامہ قرطبیؒ اس مقام پر فرماتے ہیں۔

"وَقَدْ سَاعَدَنَا الشَّافِعِيُّ عَلٰى اَنَّ الْجَمَاعَةَ اِذَا اشْتَرَكُوْا فِيْ قَطْعِ يَدِ رَجُلٍ قُطِعُوْا وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا" (قرطبی ج۶ ص۱۶۳)

علامہ فرماتے ہیں۔ "فَاِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِيْ نَقْبٍ وَدَخَلُوا الْحِرْزَ وَاَخْرَجَ بَعْضُهُمْ نِصَابًا وَلَمْ يُخْرِجِ الْاٰخَرُ فَالْقَطْعُ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ" (الاحکام ص۲۵۲)

اس اختلاف سے بھی درحقیقت زیادہ فائدہ سارق کو پہنچتا ہے خواہ وہ "ادرؤا الحدود" کے تحت ہو یا کسی اور وجہ سے اور لوگوں کے اموال کی حفاظت کم ہوتی اور جب تک ایسی صورت حال باقی رہے گی دراصل ایسے جرائم کا انسداد ممکن نہ ہوگا۔ اور بعض اوقات ایسے اختلافات سے اس قدر ناجائز فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ تمام قوانینِ سرقہ کے معطل ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اسی بات پر اظہار تشویش کرتے ہوئے علامہ الجزیریؒ کچھ یوں رقم طراز ہیں کہ:

"وَلِاَنَّ الْعُقُوْبَةَ اِنَّمَا تَتَعَلَّقُ بِقَدْرِ مَالِ الْمَسْرُوْقِ - اَيْ اِنَّ هٰذَا الْقَدْرَ مِنَ الْمَالِ الْمَسْرُوْقِ هُوَ الَّذِيْ يُوْجِبُ الْقَطْعَ بِحِفْظِ الْمَالِ وَمُرَاعَاةِ لِحُرْمَتِهٖ حَتّٰى تُسَدَّ الْاَبْوَابُ اَمَامَ عِصَابَاتِ الْاِجْرَامِ الَّتِيْ تَجْتَمِعُ عَلٰى نَهْبِ اَمْوَالِ النَّاسِ" (کتاب الفقہ ج۵ ص۱۹۲)

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب (باقی آئندہ انشاء اللہ)

کراچی کے لیے نمائندہ خصوصی

فون نمبر: ۲۱۵۳۳۴

احباب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم نے کراچی میں محدث کے کام کو منظم کرنے کے لیے پروفیسر محمد یامین محمدی صاحب کو اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے۔ محدث کے سلسلہ میں قلمی رابطہ اور محدث کی خصوصی اور عمومی اشاعتوں کے بروقت حصول کے لیے حسب ذیل پتہ پر روزانہ ۲ تا ۵ بجے سہ پہر تک شخصی طور پر مل سکتے ہیں۔

آزاد اکیڈمی متصل بحر العلوم سعودیہ۔ کلکتہ ہاؤس۔ علامہ یوسف روڈ، عامل سٹریٹ (برنس روڈ) کراچی